مشکلات حیات کا مقابلہ کرنے میں حزم و دانائی اور صبر و تحمل کے اوصاف کچھ افراد میں بہت زیادہ اور کچھ میں بہت کم ہوتے ہیں۔ اس اعتبار سے محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کامل انسان تھے۔ آپؐ کی زندگی کائنات میں اللہ تعالیٰ کے معین کردہ ضوابط کے مطابق تھی۔ آپؐ کے سارے اعمال ان ہی ضوابط کے تحت صادر ہوئے''۔ (ص ۴۷)

سیرتِ نبوی پر بعض اعتراضات کے جوابات

اس کتاب کا ایک اہم وصف یہ ہے کہ اس میں سیرت نبوی پر کیے جانے والے بعض اعتراضات کے جوابات دیے گئے ہیں۔ مثلاً امہات المومنین کا تذکرہ آیا تو تفصیل سے تعدّد ازدواج پر کیے گئے اعتراضات کا جائزہ لیا گیا ہے۔ سب سے پہلے مصنف نے ان اعتراضات کی پشت پر موجود دلائل کا معروضی انداز میں تذکرہ کیا ہے، پھر عقلی، سائنسی اور فطری دلائل اور شواہد سے اسلام میں تعدّد ازواج کی مصلحتوں اور حکمتوں پر روشنی ڈالی ہے۔ پھر ان شرائط اور ذمہ داریوں کا تذکرہ کیا ہے جو اسلام نے مرد پر عورتوں کے سلسلے میں عائد کی ہیں، مثلاً نان ونفقہ، تربیت و تعلیم، تعظیم و توقیر، عدل و قسط وغیرہ۔ انھوں نے ان شرائط کے بیان کے بعد لکھا ہے:

''یہ عدل کی حدود ہیں، جنھیں اللہ تعالیٰ نے تعدّد ازدواج کی صورت میں ملحوظ رکھنے کا حکم دیا ہے۔ جو شخص ان کی پابندی کرسکتا ہو وہ دو، تین یا چار عورتوں سے نکاح کرسکتا ہے، لیکن جو شخص ان کی پابندی نہ کرسکے اسے صرف ایک بیوی پر اکتفا کرنا چاہیے۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: فَاِنْ خِفْتُمْ اَلاَّ تَعْدِلُوْا فَوَاحِدَۃً (ص ۲۶۹)

بعض اخبار نویسوں نے ایک موقع پر شیخ غزالی سے سوال کیا کہ اگر اسلام نے مردوں کو چار بیویاں رکھنے کی اجازت دی ہے تو عورتوں کو یہ اجازت کیوں نہیں دی؟ انھوں نے اس سوال پر اپنے حیرت و استعجاب کا اظہار کرتے ہوئے لکھا ہے:

''مجھے ان لوگوں پر تعجب ہے، اس لیے کہ وہ زنا کے ماحول میں زندگی گزارتے ہیں اور خاندان کی بنیاد پاکیزگی پر رکھنے کو شدید ناپسند کرتے ہیں ...... اس مریضانہ ذہنیت والے سوال کا جواب یہ ہے کہ جنسی تعلق کا اعلیٰ مقصد یہ ہے کہ

ایک خاندان کی بنیاد پڑے اور پاکیزگی کے ماحول میں بچوں کی تربیت ہو۔ یہ چیز ایسی عورت کے گھر میں حاصل نہیں ہوسکتی جس میں بہت سے مرد آتے جاتے ہوں، ان کا مقصد اس عورت سے صرف جنسی تلذّذ حاصل کرنا ہو اور اس سے ان کی اولاد نہ ہو‘‘۔ (ص ۲۶۹)

ساتھ ہی شیخ غزالی نے تعدّدِ ازواج کے حوالہ سے امت کے ایک طبقہ کی غلط روش اور نازیبا صورت حال پر بھی نکیر کی ہے۔ یہ طبقہ صرف شہوت پرستی اور نفسانیت کے ارادہ سے کئی عورتوں سے رشتۂ ازدواج قائم کرتا ہے، پھر ان کے نان ونفقہ کی ادائی، ان کے لیے علیٰحدہ مکانوں کی فراہمی، ان کے ساتھ عدل وانصاف کے تمام تقاضوں کا لحاظ اور ان کی تکمیل، ان کے بچوں کے ساتھ مساویانہ برتاؤ، ان کی تعلیم وتربیت پر مطلوبہ توجہ وغیرہ جیسے بنیادی دینی مطالبات اور شرائط کی تکمیل اور ایفا سے پہلو تہی اختیار کرتا اور غفلت برتتا ہے۔ اس تکلیف دہ صورت حال کی تصویر کشی کے بعد وہ یہ سوال کرتے ہیں کہ ’’کیا اس طبقہ کو تعدد ازدواج سے روک دینا اس مسئلہ کا واقعی حل ہے؟‘‘، پھر اس کا جواب یہ دیتے ہیں: ’’نہیں، ہرگز نہیں۔ کسی جائز چیز سے محروم کردینے اور اس پر پابندی لگادینے کی اسلامی شریعت میں گنجائش نہیں ہے۔ ’قانون اپنی جگہ قانون کے طور پر باقی رہے گا، البتہ پیش آمدہ مسائل کے ازالہ کے لیے الگ سے راہیں نکالی جائیں گی‘‘۔ (ص ۴۶۹-۴۷۰)

انھوں نے یہ بھی لکھا ہے کہ نصرانیت کے علاوہ تمام مذاہب میں تعدّدِ ازاج کی اجازت ہے۔ توریت میں ایسے کئی انبیاء کا تذکرہ ہے جن کی ایک سے زائد بیویاں تھیں۔ اس کے باوجود ان کے تقویٰ اور دین داری پر کوئی آنچ نہیں آئی۔ اسلام میں عورتوں سے کنارہ کشی مطلوب نہیں ہے۔ اس کی نظر میں گناہ کئی بیویوں کی موجودگی نہیں، بلکہ اباحیت اور جنسی بے راہ روی ہے۔ ☆☆☆

نوٹ: مولانا ابومسعود اظہر غوری کے قلم سے شیخ محمد الغزالی کی مذکورہ کتاب کا اردو ترجمہ شائع ہوگیا ہے۔ ملاحظہ کیجیے: سیرت پیغمبر اسلام، مکتبہ اشاعت القرآن، دہلی۔ اسی طرح اس کتاب پر علامہ البانی کے استدراکات کے اردو ترجمہ کی بھی اشاعت ہوگئی ہے۔ ملاحظہ کیجیے: روایاتِ سیرت کا تنقیدی جائزہ، مترجم: محمد رضی الاسلام ندوی، اسلامک بک فاؤنڈیشن، نئی دہلی، ۲۰۰۷ئ۔ (معاون مدیر)

دورِ جدید کی چند مفسّر خواتین

ڈاکٹر عفاف عبد الغفور حمید
مترجمہ: محترمہ ندیم سحر عنبریں

قرآن کریم میں غور و تدبر صرف مرد حضرات ہی نے نہیں کیا، بلکہ عورتیں بھی اس میں برابر کی شریک رہی ہیں۔ کیوں کہ قرآن کریم مرد و عورت دونوں سے یکساں خطاب کرتا ہے۔ وہ دعوت و اصلاح اور دین کے معاملات میں برابر کی مکلف ہیں۔ لہٰذا عورتوں نے دیگر علوم کی طرح قرآن کی تفہیم و تفسیر میں بھی اپنی خدمات انجام دی ہیں۔ حضرت عائشہ صدیقہؓ حدیث کے ساتھ تفسیر کے میدان میں بھی درجۂ امامت پر فائز ہیں۔ اس دور میں اور بھی خواتین کے تفسیری اقوال ملتے ہیں۔ لیکن بعد کے ادوار میں تفسیر کے میدان میں خواتین کی کوششیں نسبتاً کم ہی دکھائی دیتی ہیں۔ دیگر علوم وفنون کے میدان میں ان کی تصنیفات و تالیفات معروف و مشہور رہیں، لیکن کسی خاتون کے قلم سے ایک بھی مکمل تفسیر کا ذکر نہیں ملتا۔

تاریخ و تراجم کی کتابوں میں علم تفسیر کے میدان میں خواتین کا بہت کم تذکرہ ملتا ہے۔ مثلاً ابن سعد کی طبقات، ابن عبد البر کی استیعاب، ابن اثیر کی اسد الغابۃ، ابن حجر کی تہذیب التہذیب، تقریب التہذیب اور الدر الکامنۃ فی اعیان المائۃ الثامنۃ میں بعض خواتین کا تذکرہ ہے۔ ماضی قریب کی کتب میں سے ایک اسماعیل بغدادی کی **هدية العارفين فی أسماء المؤلفين و آثار المصنفين** ہے۔ اس میں دو خواتین کا تذکرہ ہے۔ زرکلی نے **الأعلام** میں تیرہ خواتین کا اور عمر رضا کحالہ نے **أعلام النساء** میں دس خواتین کا تذکرہ کیا ہے، جن کا تفسیر کے میدان میں کچھ کام ہے۔ ایک کتاب

عادل نویھض کی **معجم المفسرین من صدر الاسلام حتی العصر الحاضر** (دو جلدوں میں) ہے، لیکن اس میں صرف ایک مفسرہ کا ذکر ہے، جس کا ذکر اسماعیل بغدادی نے بھی اپنی کتاب میں کیا ہے۔

موجودہ دور میں خواتین کو قرآنی علوم میں اپنی کارگردگی ظاہر کرنے کے مواقع حاصل ہوئے ہیں۔عرب و مسلم ممالک میں قرآن کریم کی تعلیم کے لیے مساجد اور روایتی مدارس کے علاوہ ان کے لیے مخصوص سرکاری اور غیر سرکاری ادارے قائم کیے گئے ہیں۔ اس طرح آہستہ آہستہ ان کی توجہ قراءت اور حفظِ قرآن سے قرآن کی تفسیر وتشریح کی طرف مبذول ہوئی۔اس میدان میں ان کی علمی کاوشیں انفرادی سطح پر بھی ظاہر ہوئیں اور کالجوں اور یونی ورسٹیوں کا تعاون بھی اس راہ میں حاصل رہا۔ چنانچہ ہمیں قرآنی علوم اور قرآن کریم کی جزوی اور کلّی تفسیر پر خواتین کی متعدد تالیفات ملتی ہیں۔اس میدان میں ان کی علمی کاوشیں اگرچہ موجودہ دور میں بھی کم ہیں، لیکن بہر حال سابقہ ادوار کے مقابلے میں صورتِ حال قدرے بہتر ہے۔موجودہ دور میں ایک بڑی تعداد ایسی خواتین کی ہے جنھوں نے اسلامی علوم بالخصوص تفسیر اور علوم قرآنی میں ایم۔فل اور ڈاکٹریٹ کے مقالے لکھے ہیں۔کچھ ایسی اسکالر بھی ہیں جنھوں نے خاص طور سے قرآن کی بعض سورتوں کی تفسیر اور قرآن سے متعلق مختلف موضوعات پر کتابیں تصنیف کی ہیں۔

آئندہ سطور میں دورِ جدید کی تین ایسی خواتین کا تذکرہ کیا جائے گا، جنھوں نے تفسیر و علوم قرآنی کے میدان میں قابلِ ذکر خدمات انجام دی ہیں۔ساتھ ہی ان کی تالیفات اور منہج تفسیر کا تجزیاتی مطالعہ بھی پیش کیا جائے گا۔

(۱) عائشہ عبدالرحمن بنت الشاطی

عائشہ عبدالرحمن بنت الشاطی مصر کے شہر دمیاط میں ۱۶ نومبر ۱۹۱۳ء کو پیدا ہوئیں۔انھوں نے علمی ماحول میں پرورش پائی۔ پانچ سال کی عمر میں ان کی تعلیم کی ابتدا ہوئی۔انھوں نے گرمیوں کی چھٹیوں میں قرآن کریم بھی حفظ کیا۔دمیاط میں ابتدائی اور ثانوی

تعلیم حاصل کرنے کے بعد ۱۹۳۵ء میں قاہرہ یونیورسٹی میں شعبۂ عربی میں داخلہ لیا، جہاں سے انھوں نے ۱۹۳۹ء میں گریجویشن مکمل کیا۔ قاہرہ یونیورسٹی میں ان کی ملاقات مصر کی متعدد عظیم فکری و ادبی شخصیات سے ہوئی۔ ان میں سے ایک شیخ امین الخولی تھے، جو مشہور فکری و ادبی مجلس - مدرسۃ الأ منائ - کے صدر نشیں تھے۔ تفسیر قرآن میں ان کا مخصوص منہج تھا، جو 'منہج بیانی' کے نام سے معروف تھا۔ بعد میں عائشہ نے ان سے شادی کر لی۔

عائشہ عبد الرحمن نے ۱۹۴۱ء میں **الحیاۃ الانسانیۃ عند أبی العلاء المعرّی** کے موضوع پر ایم۔اے اور ۱۹۵۰ء میں **رسالۃ الغفران لأبی العلاء المعرّی** کے موضوع پر پی۔ ایچ۔ ڈی کی ڈگریاں حاصل کیں۔ استاد امین الخولی نے انھیں مشورہ دیا کہ اگر وہ تفسیرِ قرآن کے موضوع پر کام کرنا چاہتی ہیں تو پہلے عربی ادب کا مطالعہ کریں اور اس زبان میں خوب مہارت حاصل کر لیں، جو قرآن کریم کی زبان ہے۔ انھوں نے اس مشورہ کو قبول کیا اور بیس سال تک عربی زبان و ادب سے وابستہ رہنے کے بعد پھر قرآنی اور اسلامی علوم کی طرف توجہ کی۔

اعلیٰ تعلیم سے فراغت کے بعد انھوں نے بہت سی عرب یونیورسٹیوں میں تدریس کے فرائض انجام دیے۔ قاہرہ، عین شمس، ام درمان، خرطوم الجزائر، بیروت، امارات، ریاض کی یونیورسٹیوں میں مختلف مناصب پر فائز رہیں۔ آخر میں جامعہ القرویین مراکش کے کلیۃ الشریعۃ میں تفسیر کی پروفیسر ہو گئی تھیں۔ وہاں انھوں نے تقریبا بیس سال گزارے۔

بنت الشاطی نے عربی زبان و ادب، تنقید، تراجم، تحقیقِ مخطوطات، تفسیر اور حدیث کے موضوعات پر چالیس (۴۰) سے زائد کتابوں کا گراں قدر سرمایہ چھوڑا ہے۔ اسلامی موضوعات پر ان کی سب سے اہم کتابیں **التفسیر البیانی للقرآن الکریم** اور **القرآن و قضایا الانسان** ہیں۔ متعدد بین الاقوامی کانفرنسوں میں شرکت کی وجہ سے ان کی شہرت عرب اور مسلم ممالک سے تجاوز کر گئی تھی۔ بنت الشاطی کی اسلامیات میں خدمات کی بنا پر انھیں شاہ فیصل ایوارڈ سے نوازا گیا۔ اس کے علاوہ متعدد

اداروں نے انھیں اعزازی رکنیت تفویض کی،مثلاً مجمع البحوث الاسلامیۃ قاہرہ۔ اوائلِ دسمبر ۱۹۹۸ء میں وفات پائی۔

التفسیر البیانی للقرآن الکریم اوراس کا منہج

التفسیر البیانی للقرآن الکریم عربی زبان و ادب اور قرآنی علوم کے درمیان ایک کڑی ہے۔ یہ پورے قرآن کریم کی تفسیر نہیں ہے، بلکہ اس میں بعض متوسط اور چھوٹی سورتوں کی تفسیر کی گئی ہے۔ یہ دو اجزاء میں ہے۔ بنت الشاطی نے قرآن کریم کی تفسیر میں اپنے استاد اور شوہر امین الخولی کے منہج کی پیروی کی ہے۔ امین الخولی نے اپنے منہج کو اپنی کتاب **مناهج التجدید** میں بیان کیا ہے۔ بنت الشاطی نے اس کا خلاصہ اپنی تفسیر کے پانچویں ایڈیشن کے مقدمہ میں کیا ہے۔ اس کے بنیادی نکات درج ذیل ہیں:

۱۔ بحث و مطالعہ کا موضوعاتی منہج اختیار کیا جائے۔جس موضوع کا مطالعہ مقصود ہو اس پر قرآن کی تمام آیات یکجا کر لی جائیں۔

۲۔ قرآنی نص کو سمجھنے کے لیے آیات کو ترتیبِ نزول کے اعتبار سے جمع کیا جائے، پھر اسبابِ نزول سے متعلق مرویات پیش نظر رکھی جائیں۔کسی آیت کے نزول کے سلسلہ میں اس کے مخصوص سبب کے بجائے عموم لفظی کو پیش نظر رکھا جائے۔ مصحف کی موجودہ ترتیب اللہ تعالی کی طرف سے توقیفی ہے۔اس ترتیب کے ثبوت کا درجہ ترتیبِ نزول کی صحیح روایات کے درجہ سے بڑھ کر ہے۔ اس بنا پر صرف ان روایات کو قبول کرنا چاہیے جو مصحف کی موجودہ ترتیب سے متعارض نہ ہوں۔

۳۔ الفاظِ قرآن کے معانی و مطالب کو سمجھنے کے لیے پہلے یہ دیکھا جائے کہ عربی زبان ولغت میں کن حقیقی اور مجازی معانی میں ان کا استعمال ہوا ہے۔ پھر قرآن کی دلالت کو سمجھنے کے لیے پورے قرآن کا استقراء کیا جائے اور دیکھا جائے کہ مخصوص آیت اور دیگر مقامات پر وہ کن معانی میں آئے ہیں۔

۴۔ قرآنی نص کے سیاق کو بھی پیش نظر رکھا جائے، پھر اس پر مفسرین کے اقوال کو پرکھا جائے۔ان میں سے جن اقوال کو نصِّ قرآن قبول کرتا ہو، انھیں اختیار کیا جائے اور کتبِ تفسیر میں جو اسرائیلی روایات، مسلکی خرافات اور بے جا تاویلات بھر دی گئی ہیں، ان سے احتراز کیا جائے۔۲؎

حقیقت یہ ہے کہ بنت الشاطی نے جس منہج کو امین الخولی کی طرف منسوب کیا ہے، وہ شیخ محمد عبدہؒ کا منہج ہے، جسے بعد میں امین الخولی، رشید رضا اور المراغی نے اختیار کیا ہے۔

بنت الشاطی کی تفسیر کی خصوصیات

بنت الشاطی کی تفسیر کا مطالعہ کرنے سے اس کی درج ذیل خصوصیات نمایاں ہوتی ہیں:

اول: ان کا نقطۂ نظر یہ ہے کہ اعراب اور اسرارِ بیانی جاننے کے لیے خود قرآن سے رجوع کیا جائے۔ یہ دیکھا جائے کہ زیرِ مطالعہ لفظ اور اس کے ہم معنیٰ دیگر الفاظ قرآن میں کہاں کہاں آئے ہیں اور وہاں اس کے کیا معنی ہیں؟ پھر یہ دیکھا جائے کہ اس مخصوص جگہ، جہاں کا مطالعہ مقصود ہے، اس کے کیا معنی ہیں؟ وہ کہتی ہیں:

> ”ہم نحویوں اور ماہرینِ بلاغت کے اقوال کو قرآن کی روشنی میں جانچیں گے، قرآن کو نحو و بلاغت پر جانچنے کی کوشش نہیں کریں گے۔ قرآن کے صریح نص و سیاق کے سلسلے میں ہمیں علمائے سلف کی تاویلات اختیار کرنے کی ضرورت نہیں ہے، تاکہ نحو کے قواعد اور علومِ بلاغت کے ضوابط درست ہو جائیں۔اس لیے کہ قرآن اپنی اصالت، اعجاز اور بیان کی بلند چوٹی پر فائز ہے اور وہ ہر طرح کی آمیزش سے پاک ہے۔ اس معاملے میں شعری شواہد بھی پیش کرنے کی ضرورت نہیں۔“۳؎

مثال کے طور پر سورۂ علق میں لفظ أَرَایتَ تین بار آیا ہے۔ وہاں اس کا مفعولِ ثانی مذکور نہیں ہے۔ مفسرین نے اس پر طویل بحثیں کی ہیں۔ بنت الشاطی نے

اس کے بارے میں زمخشری کی رائے اور اس پر ابو حیان التوحیدی کا رد نقل کرنے کے بعد لکھا ہے:

''مفسرین کے اختلافات کے معاملے میں جب ہم بیانِ قرآنی کو حکم بناتے ہیں تو قرآن کے ایک اہم اسلوب سے آشنا ہوتے ہیں۔ وہ یہ کہ قرآن جب استفہامی انداز میں أرَ اَیتَ کہہ کر تمام لوگوں کو مخاطب کرتا ہے تو مفعولِ ثانی کی ضرورت نہیں رہتی، بلکہ ایسے مواقع پر قرآن عبرت ونصیحت کے پہلو کی طرف توجہ دلانا چاہتا ہے۔ جیسے ملاحظہ کیجیے درج ذیل آیات: اَرَأَیۡتَ الَّذِیۡ یُکَذِّبُ بِالدِّیۡنِ (الماعون:۱)[۴] أَفَرَأَیۡتُم مَّا تُمۡنُون (الواقعۃ:۵۸) أَفَرَأَیۡتُم مَّا تَحۡرُثُونَ (الواقعۃ:۵۸) وغیرہ۔[۵] ---۔ یہ قرآن کا ایک مخصوص اسلوب ہے کہ جب لفظ رأی سے پہلے حرفِ استفہام ہو اور خطاب کیا گیا ہو تو مفعول ثانی کی ضرورت نہیں رہتی۔ اس لیے نحوی قواعد کی رؤ سے مفعول ثانی کو محذوف یا مقدّر ماننے اور اسے تلاش کرنے سے بہتر یہ ہے کہ ہم اس بات پر غور کریں کہ قرآن نے یہاں عبرت ونصیحت کے کس پہلو کی طرف توجہ دلائی ہے۔''[۶]

دوم: وہ تفسیر کے روایتی منہج پر تنقید کرتی ہیں جس کے مطابق قرآن کے کسی نص کا مطالعہ دیگر نصوص کو سامنے رکھے بغیر کیا جاتا ہے۔ وہ کہتی ہیں کہ نصِّ قرآنی کا مطالعہ موضوعاتی طرز پر کرنا چاہیے، جس طرح دیگر نصوص کا مطالعہ کیا جاتا ہے، جن کا قرآن کریم کے اعجازِ بیان سے کوئی مقابلہ ہی نہیں ہے۔ ان کا خیال ہے کہ عربی زبان و ادب میں مہارت ہی قرآن میں غور وفکر اور اس کے صحیح فہم کا مثالی طریقہ ہے۔ وہ نصِّ قرآن کے منہجی مطالعہ کو اس کی دلالتوں کو سمجھنے اور اس کے مقاصد کے ادراک کرنے کا ذریعہ سمجھتی ہیں۔ اس لیے وہ قرآن کے مفرد الفاظ اور اسالیب کے فہم کو ضروری قرار دیتی ہیں۔[۷]

سوم: وہ اس بات کی کوشش کرتی ہیں کہ قرآن کے اسرارِ بیانی تک رسائی

حاصل کرنے کے لیے اس کے نص کے ہر لفظ اور ہر حرکت کو سمجھنے کی کوشش کی جائے۔ ان کا خیال ہے کہ قرآن کے ایک لفظ کی جگہ کوئی دوسرا لفظ نہیں لے سکتا، ایک حرف کی جگہ دوسرا حرف نہیں لے سکتا اور ایک حرکت کی جگہ دوسری حرکت نہیں آسکتی۔ اپنی اس رائے کو انھوں نے فواتح السور میں بیان کیا ہے۔۸؎ اپنی تفسیر کی جلد دوم کے مقدمہ میں ترادف کا انکار کرتے ہوئے وہ کہتی ہیں:

> ''اس تفسیر میں، اسی طرح ہر تفسیر میں اہم ترین مسئلہ یہ ہے کہ کوئی بھی حرف یا کلمہ، جو قرآن میں آیا ہو، ایسا نہیں ہے کہ اس کی جگہ دوسرا حرف یا کلمہ آسکے۔''۹؎

اپنی تفسیر میں انھوں نے **القسم** اور **الحلف**، **اللھو** اور **المشغلة** کے مترادف ہونے کی نفی کی ہے۔ اسی طرح انھوں نے اپنی کتاب **الاعجاز البیانی للقرآن الکریم** میں اس موضوع پر مفصل بحث کی ہے اور اس کی بہت سی مثالیں دی ہیں۔۱۰؎

اہلِ نحو کے برخلاف بنت الشاطی نے قرآن میں حرفِ زائد سے انکار کیا ہے۔ مثلاً آیت: **مَا أَنتَ بِنِعْمَةِ رَبِّکَ بِمَجْنُونٍ** (القلم:۲) میں لفظ **نعمة** سے قبل **ب** کو مفسرین اور نحویین نے ب زائدہ کا نام دیا ہے، لیکن بنت الشاطی کے نزدیک یہ ب زائدہ نہ ہو کر قرآن کا خاص اسلوب ہے اور وہ یہ کہ جب **ب ما** و **لیس** کی خبر بنتی ہے تو جحد و انکار کے معنی میں ہوتی ہے۔ اس طرح کی مثالیں قرآن میں کئی جگہ موجود ہیں، مثلاً: **وَمَا أَنتَ بِهَادِي الْعُمْيِ عَن ضَلَالَتِهِمْ** (الروم: ۵۳) **وَمَا أَنَا بِظَلَّامٍ لِّلْعَبِيدِ** (ق:۲۹) **وَمَا اللّٰهُ بِغَافِلٍ عَمَّا تَعْمَلُونَ** (البقرة: ۷۴)۔ اور یہ قرآن کا خاص اسلوب ہے۔۱۱؎

بنت الشاطی نے **لیس** اور **ما نافیہ** کی خبر کی حکمت کو پالیا۔ انھوں نے قرآن کی اس طرح کی تمام آیات کا استقراء کیا تو پایا کہ جب **ما** و **لیس** کی خبر پر **ب** داخل ہوتی ہے تو وہ زائد نہیں ہوتی، بلکہ ایک بلاغی قاعدہ کے مطابق آتی ہے اور اس سے قرآن کریم کا اعجاز بیان ظاہر ہوتا ہے۔۱۲؎

حروفِ مقطعات کے سلسلہ میں انھوں نے تمام علماء کے اقوال ذکر کر کے علامہ ابن القیمؒ کے قول کو ترجیح دی ہے کہ اس سے حروف کی عظمت اور ان کا شرف بتانا مقصود ہے کہ یہ صرف قرآن کا ہی اسلوب ہے اور اسی کا اعجازِ بیان ہے کہ عام حروف سے ایسا کلام وجود میں آیا جس کے مثل لانے سے تمام انسان عاجز ہیں۔ ۱۳؎

چہارم: وہ عقل و نقل کے درمیان ہم آہنگی کی داعی ہیں۔ ان کا ایک امتیاز یہ ہے کہ انھوں نے عقل و نقل کے درمیان انتہائی مہارت سے ہم آہنگی پیدا کی ہے اور تقلید کو چھوڑ کر تجدید کی روش اختیار کی ہے۔ انھوں نے تفسیر میں بعض آراء سلف کو قبول کیا ہے اور بعض کو رد کیا ہے۔ اپنی کتاب التفسیر البیانی، جزء ثانی کے مقدمہ میں کہتی ہیں:

''ہم مفسرین کی علمی کاوشوں سے فائدہ اٹھاتے ہیں، ان کے اقوال کو قرآن پر پیش کرتے ہیں اور ان میں جو اقوال قرآن کے نص اور اس کے سیاق سے مطابقت رکھتے ہیں، انھیں قبول کر لیتے ہیں۔'' ۱۴؎

پنجم: کتبِ تفسیر میں بہت سی اسرائیلی روایات، اسی طرح مفسرین کے ذوق، عقل و فہم، ماحول اور مسلکی، سیاسی اور گروہی عصبیتوں کی وجہ سے بہت سی باتیں تفسیروں کا حصہ بن گئیں۔ بنت الشاطی نے اپنی تفسیر کو اس طرح کی تمام چیزوں سے پاک کرنے کی ہر ممکن کوشش کی ہے۔ ۱۵؎ مثلاً بعض کتبِ تفسیر میں ہے کہ حوا آدم کے جنت سے نکالے جانے کا سبب تھیں۔ بنت الشاطی اس سے اختلاف کرتی ہیں۔ وہ ان لوگوں پر زبردست حملہ کرتی ہیں جو عورت کو محض شہوت پوری کرنے کا ذریعہ اور معصیت و گم راہی کا مرکز قرار دیتے ہیں۔ وہ کہتی ہیں کہ قرآن عورت کی تکریم کرتا ہے اور زندگی کی تعمیر میں اسے مرد کے ساتھ شریک کرنے کا مطالبہ کرتا ہے۔

یہی موقف انھوں نے تفسیر اشاری (صوفیانہ تفسیر) کے سلسلہ میں اختیار کیا ہے۔ مثلاً صوفیہ کہتے ہیں کہ **والضحیٰ** سے مراد حضور ﷺ کا روئے انور اور **واللیل** سے مراد آپؐ کے بال ہیں، یا یہ کہ **والضحیٰ** سے اہل بیت مرد اور **واللیل** سے اہل بیت خواتین مراد ہیں۔ بنت الشاطی اس طرح کے تمام اقوال کا رد کرتی ہیں۔ ۱۶؎

ششم: ان کی تفسیر کا ایک خاص انداز اس کا موضوعی منہج ہے، جسے انھوں نے اپنے استاد شیخ امین الخولی سے لیا ہے۔ انھوں نے اپنے مقدمہ میں اس کا ذکر کیا ہے۔ ایک موضوع سے متعلق قرآن میں موجود تمام آیات کو وہ ایک جگہ جمع کر کے تفسیر کرتی ہیں اوراس کے الفاظ اور اسالیب کے استعمالات سے رہ نمائی حاصل کرتی ہیں۔۱۷؎ قرآن کی بعض چھوٹی سورتوں کی تفسیر میں انھوں نے اس منہج کو اختیار کیا ہے۔ ان میں سے اکثر مکی سورتیں ہیں، جن میں اسلام کے بنیادی اصولوں سے بحث کی گئی ہے۔ان کا منہج استقرائی ہے۔انھوں نے **القرآن يفسّر بعضه بعضاً** کے اصول پر تفسیر کرنے کی کوشش کی ہے۔یہ تفسیرِ قرآن کا سب سے اچھا طریقہ ہے۔مثال کے طور پر لفظ **حطمة** کی تفسیر کرتے ہوئے بتاتی ہیں کہ اس کے مادہ سے ایک دوسرا لفظ **حطام** قرآن میں تین مرتبہ آیا ہے۔(الزمر:۲۱، الواقعۃ : ۶۵، الحدید:۲۰)۱۸؎ اسی طرح آیت: مَا أنتَ بِنِعمَةِ رَبّکَ بِمَجنُونٍ (القلم: ۲) کی تفسیر میں وہ قرآن کے ان تمام مقامات کا استقراء کرتی ہیں جہاں لفظ **نعمة** اور **نعيم** آئے ہیں، پھر اس سے یہ نتیجہ اخذ کرتی ہیں کہ دونوں ایک معنیٰ میں نہیں ہیں، بلکہ قرآن میں ہر جگہ **نعمة** کا استعمال دنیاوی نعمتوں کے لیے، جب کہ **نعيم** کا استعمال اخروی نعمتوں کے لیے ہوا ہے۔۱۹؎

ہفتم: اسبابِ نزول کی روایات اور ترتیبِ نزول کے سلسلہ میں ان کا موقف یہ ہے کہ اسبابِ نزول کی روایات کا ، زمانۂ نزول کے حالات کو سمجھنے کے لیے اعتبار کیا جائے گا،لیکن اس کا مطلب یہ ہے کہ صحابۂ کرام نے ان آیات کو اپنے حالات پر منطبق کرنے کی کوشش کی ہے۔ اس کا مطلب یہ نہیں ہے کہ اگر وہ حالات نہ پیش آئے ہوتے تو وہ آیات نازل ہی نہ ہوتیں ۔اسی طرح وہ کہتی ہیں کہ آیاتِ قرآن اور الفاظِ قرآن کی دلالتوں میں تدبر کرنے کے لیے سیاقِ عام کے فہم میں ترتیبِ نزول کا اعتبار کیا جائے گا۔۲۰؎

ہشتم: وہ سائنسی تفسیر کی سخت مخالف ہیں۔ان کا نقطۂ نظر یہ ہے کہ قرآن

کتابِ ہدایت ہے۔ یہ فزکس، کیمسٹری یا دیگر سائنسی علوم کی کتاب نہیں ہے۔ انھوں نے مجلۃ الاھرام میں اس سلسلے میں متعدد مقالات لکھے تھے۔ مثال کے طور پر آیت: خَلَقَ الْإِنسَانَ مِنْ عَلَقٍ (العلق: ۲) کے تحت لکھتی ہیں:

> ''اس آیت کے تحت نئے محققین نے علم الجنین کی بحث شروع کردی ہے اور فزیالوجی اور بایولوجی کے ماہرین کی کتابوں کے حوالے دیے ہیں، تاکہ وہ اس آیت کی تشریح کریں جو نبی ﷺ کی معرفت ایسی امّی قوم پر اتری تھی، جسے علم جنین کی کچھ واقفیت نہیں تھی۔ یہ بات ناقابل تصور ہے کہ قرآنِ کریم خالق کی ربوبیت اور قدرت کے اثبات کے لیے ایسی باتیں پیش کرے جو ان لوگوں کے لیے ناقابل تصور ہو اور جن کے فہم وادراک سے وہ قاصر ہوں۔''۲۱؎

نہم: انھوں نے متقدمین ومتاخرین اور معاصرین کی مختلف کتبِ تفسیر پر اعتماد کیا ہے۔ مثلاً تفسیر طبری، زمخشری کی کشاف، ابو حیان کی البحر المحیط، رازی کی تفسیر کبیر، نیساپوری کی غرائب التفاسیر وغیرہ۔ اس کے ساتھ ہی انھوں نے علوم القرآن کی بعض تصانیف سے بھی استفادہ کیا ہے۔ مثلاً سیوطی کی الاتقان اور ابن القیم الجوزی کی التبیان فی اقسام القرآن۔ وہ اپنی تفسیر میں محمد عبدہ کی آراء کا بھی حوالہ دیتی ہیں، لیکن ان مصادر سے استفادہ کرتے ہوئے انھوں نے مفسرین کی آراء کو من وعن قبول نہیں کرلیا ہے، بلکہ وہ بسا اوقات ان پر تنقید بھی کرتی ہیں۔

(۲) زینب غزالی

زینب محمد الغزالی الجبیلی جنوری ۱۹۱۷ء میں مصر میں بحیرہ کے ایک گاؤں میں پیدا ہوئیں اور اپنے والدین کے سایۂ عاطفت میں اسلامی ماحول میں پرورش پائی۔ ان کی تربیت میں ان کے والد کا جو جامعہ ازہر کے علماء میں سے تھے، اثر بہت زیادہ ہے۔ ان کے انتقال کے بعد وہ اپنی والدہ کے ہم راہ اپنے بھائیوں کے پاس قاہرہ چلی گئیں،

جو وہاں پڑھتے اور کام بھی کرتے تھے۔ انھوں نے سرکاری اسکول میں اپنی تعلیم جاری رکھی، ساتھ ہی تفسیر اور فقہ کا علم جامعہ ازہر کے علماء سے حاصل کیا۔ ان کے اساتذہ میں شیخ عبدالمجید اللبان وکیل الازہر، شیخ محمد سلیمان النجار رئیس قسم الوعظ والارشاد اور شیخ علی محفوظ رکن ھیئۃ کبار العلماء قابل ذکر ہیں۔

ابتدا میں زینب غزالی مصر میں آزادیٔ نسواں کی علم بردار مشہور خاتون ہدیٰ شعراوی کی تنظیم سے جڑ گئی تھیں اور اس کی سرگرمیوں میں بڑھ چڑھ کر حصہ لینے لگی تھیں، لیکن کچھ عرصہ کے بعد انھوں نے اس سے علاحدگی اختیار کر لی۔ ۱۹۳۷ء میں انھوں نے جمعیۃ السیدات المسلمات کے نام سے عورتوں کی تنظیم کی بنیاد ڈالی اور مصر کے گوشے گوشے میں اسے فروغ دیا۔ اس تنظیم کے تحت وہ مختلف علاقوں میں دینی اجتماعات منعقد کرتی تھیں۔ السیدات المسلمات کے نام سے اس کا ایک مجلہ بھی نکلتا تھا۔ انھوں نے بہت سے مسلم اور عربی ممالک کا سفر کیا اور وہاں دینی موضوعات پر لیکچر دیے۔ وہ حسن البنا کی فکر سے بہت متاثر تھیں، جس کے نتیجہ میں انھوں نے اپنی تنظیم کو ان کی جماعت 'الاخوان المسلمون' میں ضم کر دیا تھا۔

۱۹۶۵ء میں سیاسی پارٹیوں اور حکومت کے درمیان ٹکراؤ شروع ہوا، جس نے سنگین صورت اختیار کر لی۔ زینب غزالی کو جمال عبد الناصر سے ملاقات سے انکار کے نتیجہ میں گرفتار کر لیا گیا۔ اس موقع پر انھوں نے پوری جرأت سے کہا کہ ''میں ایسے شخص سے ملاقات نہیں کر سکتی، جس کے ہاتھ شہید عبدالقادر عودہ کے خون سے رنگے ہوئے ہوں۔'' وہ ۱۹۷۱ء تک جیل میں بند رہیں۔ اس عرصہ میں انھیں شدید جسمانی اذیتوں سے دوچار ہونا پڑا۔ أیام من حیاتی کے عنوان سے انھوں نے اپنی ایک جیل ڈائری لکھی ہے۔ یہ ایک تاریخی دستاویز ہے اور ادبی رنگ بھی لیے ہوئے ہے۔

زینب غزالی نے متعدد کتابیں تصنیف کی ہیں، جن میں سے ابنتی (۲ جلدیں)، **مشکلات الشباب و الفتیات فی مرحلۃ المراھقۃ (۲ جلدیں)، نحو بعث جدید، نظرات فی الدین و الحیاۃ، شرح الاربعین النوویۃ، ملک و آمال شعب**

اور نظرات فی کتاب اللہ خاص طور سے قابل ذکر ہیں ۔ان کی بعض کتابوں کا مختلف زبانوں میں ترجمہ ہو چکا ہے۔ ۲۲؎

نظرات فی کتاب اللہ درحقیقت زینب الغزالی کی تفسیر ہے۔اس میں انھوں نے سورۂ ابراہیم تک کی تفسیر کی ہے۔وہ جیل میں قرآن پڑھتی تھیں تومصحف کے حاشیہ پر ضروری تشریحات نوٹ کر لیتی تھیں ۔جیل سے رہائی پر یہ مصحف تو انھیں نہیں مل سکا،لیکن بعد میں انھوں نے اپنی یادداشت سے دوبارہ اس کام کو انجام دیا۔ یہ تفسیر ۱۹۹۴ء میں شائع ہوئی ہے۔اس پر ڈاکٹر الفرماوی نے نظر ثانی کی ہے۔ ۲۳؎

زینب غزالی کا تفسیری منہج

زینب غزالی کی تفسیر کی خصوصیات کو درج ذیل نکات کی صورت میں بیان کیا جاسکتا ہے:

اول: وہ کسی سورہ کی تفسیر کرتے ہوئے اس کی ابتدا میں بتاتی ہیں کہ وہ مکی ہے کہ مدنی ؟اس میں آیات کی تعداد کتنی ہے؟ اس کے فضائل کیا ہیں؟ اوراس کے سببِ نزول میں کون کون سی صحیح روایتیں مروی ہیں ؟ مثال کے طور پرانھوں نے سورۂ آل عمران کی ابتدا میں بیان کیا ہے کہ مدینہ میں ۹ ھ میں نجران سے ایک وفد آیا تھا،جس نے نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے مناظرہ کیا تھا۔آپؐ نے انھیں مباہلہ کی دعوت دی، لیکن انھوں نے اس سے انکار کر دیا اور جزیہ ادا کرنے پر رضا مندی ظاہر کی۔اس سے وہ غیر مسلموں کو اسلام کی دعوت کے وجوب اورسابقہ شریعتوں کے نسخ پر استدلال کرتی ہیں۔ ۲۴؎

دوم: وہ اپنی تفسیر میں ماثور پر اعتماد کرتی ہیں ۔ چنانچہ تفسیر میں قرآن کی دیگر آیات ،اسی طرح صحیح احادیث،صحابۂ کرام، تابعینِ عظام اور علمائے اسلاف کے اقوال سے استدلال کرتی ہیں ۔مثال کے طور پر سورۂ بقرہ کی ابتدا میں تقویٰ کی تشریح کرتے ہوئے وہ سورۂ آل عمران کی ایک آیت،حدیثِ نبوی اور حضرت عمرؓ،حضرت علیؓ، اورحضرت عبداللہ بن عمرؓ کے اقوال پیش کرتی ہیں۔ ۲۵؎

سوم: وہ متقدمین کی ماثور تفسیروں پر اعتماد کرتی ہیں۔ مثلاً تفسیر ابن کثیر اور تفسیر قرطبی۔ اسی طرح جدید تفسیروں میں سید قطب کی تفسیر فی ظلال القرآن کے حوالے دیتی ہیں، اس لیے کہ دعوتی اور ادبی پہلوؤں سے دونوں میں یکسانیت ہے۔ اسی طرح وہ بعض اوقات تفسیر رازی سے بھی استفادہ کرتی ہیں۔ انھوں نے چوں کہ اپنے زمانے کے مشائخ ازہر سے بھی استفادہ کیا تھا، اس لیے اپنی تفسیر میں وہ ان کے بھی حوالے دیتی ہیں۔

چہارم: حروفِ مقطعات کے ضمن میں انھوں نے اعجازِ قرآن کی جانب توجہ دلائی ہے اور تقریبِ معنیٰ کے لیے مثالیں دی ہیں اور تشبیہات پیش کی ہیں۔ چنانچہ انھوں نے حروف مقطعات کے سلسلہ میں علماء کے مختلف اقوال بیان کرنے کے بعد سید قطب کا قول قبول کیا ہے کہ یہ تحدّی اور اعجاز کے لیے آئے ہیں۔ وہ کہتی ہیں:

> ''حروف مقطّعات سے اس بات کی طرف اشارہ ملتا ہے کہ یہ کتاب ایسے ہی حروف سے مرکب ہے جو عرب مخاطبین کی دست رس میں تھے۔ اس میں ایسا ہی اعجاز ہے جیسا اللہ کی دیگر مخلوقات کے معاملے میں ہے۔ مٹی مختلف ذرّات کا مجموعہ ہوتی ہے، ان سے لوگ کچی یا پکی اینٹ بناتے ہیں، لیکن اللہ تعالی نے ان سے انسان کو پیدا کیا ہے، جو ایک زندہ مخلوق ہے۔ اسی طرح قرآن حروف اور کلمات کا مجموعہ ہے۔ انسان ان حروف اور کلمات سے اپنے کلام بناتے ہیں اور اللہ تعالی نے ان سے قرآن اور فرقان بنایا ہے۔ ۲۶؎

پنجم: انھوں نے اپنی تفسیر میں عورتوں کے حقوق کا دفاع کیا ہے اور غلط رسوم و روایات کو ترک کرنے کی دعوت دی ہے۔ وہ کہتی ہیں کہ عورتوں کو قرآن میں مذکور ان کے شرعی حقوق ملنے چاہییں۔ مثلاً جس عورت کے شوہر کا انتقال ہو گیا ہو اس کی عدت قرآن نے چار ماہ دس دن بیان کی ہے، لیکن حاملہ کی عدت وضعِ حمل ہے۔ چنانچہ وہ لکھتی ہیں کہ اگر بیوی حاملہ ہو اور شوہر کی وفات کے چند دن بعد ہی اس کے یہاں ولادت ہو

جائے تو اسے یہ حق ملنا چاہیے کہ اگر وہ چاہے تو اس کے فوراً بعد اپنا دوسرا نکاح کرسکتی ہے اور اس کے لیے جائز ہے کہ وہ غم و حزن کا لباس اتار کر زیب و زینت اختیار کرے۔جیسا کہ سورۂ بقرہ کی آیت ۲۳۴ میں مذکور ہے۔اس کے بعد وہ حضرت سبیعہ الاسلمیہؓ کے واقعہ سے استدلال کرتی ہیں،جنھیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اجازت دی تھی کہ وضعِ حمل کے بعد دوسرا نکاح کرسکتی ہیں۔۲۷ ؎ آخر میں لکھتی ہیں:

''کوئی عورت چاہے تو سال دو سال یا عمر بھر صبر کرے اور دوسرا نکاح نہ کرے، لیکن ضابطہ یہ ہے کہ وہ وضعِ حمل کے بعد فوراً دوسرا نکاح کر سکتی ہے۔اللہ اور اس کے رسول نے اس کی اجازت دی ہے۔'' ۲۸ ؎

ششم: انھوں نے اپنی تفسیر میں لغوی مسائل اور فقہی اور مسلکی اختلافات سے گریز کیا ہے اور دعوتی پہلوؤں پر خاص توجہ کی ہے۔احکام کے سلسلہ میں وہ عام معنیٰ بیان کرنے پر اکتفا کرتی ہیں۔مثلاً حَافِظُوا عَلَى الصَّلَوَاتِ والصَّلَاةِ الْوُسْطَى (البقرۃ:۲۳۸) کی تشریح کرتے ہوئے کہتی ہیں:

''الصَّلَاةِ الْوُسْطَى سے مراد کون سی نماز ہے؟ اس سلسلہ میں مختلف اقوال ہیں۔یہاں اختلافات کو بیان کرنے کی کوئی ضرورت نہیں ہے۔ اللہ تعالیٰ نے اسے متعین طور سے اس لیے نہیں بیان فرمایا، تاکہ مسلمان تمام نمازوں کی حفاظت کریں۔'' ۲۹ ؎

ہفتم: وہ آیاتِ قرآنی کا سیاق بیان کرتی ہیں اور انھیں حالاتِ حاضرہ سے جوڑتی ہیں۔مثلاً آیتِ ربا کے بعد ایک آیت ہے: وَ آتَوُا الزَّكَاةَ (البقرۃ:۲۷۷)۔ اس کی تشریح میں لکھتی ہیں:

''سودی نظام اب عام ہو گیا ہے اور زکوۃ سے لوگوں نے دوری اختیار کر لی ہے۔گویا کہ یہ صرف انفرادی مسئلہ ہے۔اب زکوۃ کی ادائیگی صرف نیک لوگ ہی کرتے ہیں، اعلانیہ بھی اور چھپ کر بھی۔اس کے برعکس سودی نظام تیزی سے فروغ پا رہا ہے۔'' ۳۰ ؎

زینب غزالی کی تفسیر کا دعوتی آہنگ

زینب غزالی کی تفسیر کا اصل رنگ دعوتی ہے۔ وہ آیات کی تشریح وتوضیح میں دعوتی پہلو کو نمایاں اور قرآن کریم کے احکام ومعنی کو موجودہ حالات سے مربوط کرتی ہیں، تاکہ ان کے ذریعہ معاشرہ کے امراض کا علاج ہو سکے۔ مثلاً آیت اِنَّ اللّٰہَ لَا یُغَیِّرُ مَا بِقَومٍ حَتّٰی یُغَیِّرُ وا مَابِاَنفُسِھِم (الرعد:۱۱) کی تفسیر میں لکھتی ہیں:

> ''امت مسلمہ سچائی کے ساتھ اللہ کی کتاب اور اس کے رسول کی سنت پر عمل کر رہی تھی۔ لیکن جب اس کا رویہ بدل گیا، وہ کتاب وسنت کے بغیر اپنے فیصلے کرنے لگی، اس نے کفار کی اتباع کی اور ان کی روش اختیار کی تو اللہ تعالی نے اسے ذلیل وخوار کر دیا اور اسے ایسا بنا دیا کہ وہ ذلت بھری غلامی کی زندگی گزارنے لگی، اس نے اپنے معاملات دوسروں کے ہاتھ میں دے دیے۔ اگر وہ توبہ کرتی، اپنے رب کی طرف رجوع کرتی، اس کے دین کو قائم کرتی، اپنے آپ پر اعتماد کرتی، اللہ کی کتاب کو اپنے درمیان حکم بناتی اور اس کے رسول کی سنت کی پیروی کرتی تو اللہ اسے اس کا کھویا ہوا وقار لوٹا دیتا اور اس کی عزت و شرف کی حفاظت کرتا۔''[۱۳]

ایک مسلم خاندان کو عقیدہ اور اخلاق کے کس معیار پر فائز ہونا چاہیے؟ اس کی وضاحت کرتے ہوئے آیت وَلاَتَنکِحُوا الْمُشْرِکَاتِ (البقرہ: ۲۲۱) کی تشریح کے تحت لکھتی ہیں:

> '' ایک مسلم کے لیے حرام ہے کہ وہ بتوں کی پرستش کرنے والے مشرکین سے نکاح کرے۔ اس کا اطلاق مسلمان مرد اور مسلمان عورت دونوں پر ہوتا ہے، اگرچہ مسلمان مرد کے لیے کتابیہ عورت سے نکاح جائز ہے۔ لیکن مجھے تعجب ہے ایسے مسلمان مردوں پر جو

دین کے دشمن پر اپنی عزیز ترین اولاد کے لیے بھروسہ کرتے ہیں اور کتابیہ (یہودی یا عیسائی) عورت سے نکاح کرکے اپنی اولاد کو شدید فکری آزمائش سے دوچار کرتے ہیں، جب وہ دیکھے گی کہ ان کی والدہ چرچ اور والد مسجد کا رخ کرتے ہیں۔''۳۲؎

وہ ان اسلامی فرائض کے احیاء کی طرف پرزور طریقے سے دعوت دیتی ہیں، جو امت کے درمیان سے غائب ہو چکے ہیں۔ مثلاً آیت: **وَمَن لَّمْ يَحْكُم بِمَا أَنزَلَ اللّٰهُ فَأُوْلَـئِكَ هُمُ الْكَافِرُونَ** (المائدۃ: ۴۴) کے سلسلہ میں فرماتی ہیں:

''یہ آیت بنی اسرائیل کے سیاق میں ہے۔ یہاں ہمیں تھوڑی دیر رک کر سوچنا چاہیے کہ بنی اسرائیل کے لیے اللہ تعالیٰ نے جو احکام نازل کیے تھے، ان پر عمل نہ کرنے کی صورت میں اس نے ان پر کفر کا حکم لگایا تھا تو امت مسلمہ اگر ان احکام پر عمل نہیں کرے گی تو کیا اس کے بارے میں یہ حکم نہ ہوگا۔''۳۳؎

اسی طرح آیت: **وَقَاتِلُواْ فِي سَبِيلِ اللّٰهِ الَّذِينَ يُقَاتِلُونَكُمْ وَلاَ تَعْتَدُواْ إِنَّ اللّٰهَ لاَ يُحِبُّ الْمُعْتَدِينَ** (البقرۃ: ۱۹۰) کی تفسیر میں لکھتی ہیں:

''اللہ تعالیٰ نے واضح انداز میں فرمایا ہے کہ مسلمانوں کے جو حقوق ان کے دشمنوں کے ذریعہ غصب کیے جا رہے ہیں اور ان کے دیار اور اموال پر قبضہ کیا جا رہا ہے، اس کا ازالہ صرف اس صورت میں ممکن ہے کہ اللہ کی راہ میں جہاد کیا جائے اور ان تمام قوتوں کا مقابلہ کیا جائے جو اسلام اور مسلمانوں کے ساتھ برائی کا ارادہ رکھتی ہیں۔ آج مسلمان دین کے معاملہ میں جس آزمائش میں مبتلا ہیں اور ان کے معاملات انتشار کا شکار ہیں، اس کی وجہ یہی ہے کہ انھوں نے اس فریضہ کو ترک کر دیا ہے۔''۳۴؎

زینب غزالی کے تفسیری منہج کی ایک جامع مثال یہ ہے کہ انھوں نے آیت:

مَثَلُ الَّذِیْنَ یُنفِقُونَ أَمْوَالَهُمْ فِیْ سَبِیْلِ اللّٰهِ۔۔۔ (البقرۃ:۲۶۱) کی تشریح میں لکھا ہے:

> ''اس آیت سے لے کر سورہ کے اختتام تک جو مضامین بیان کیے گئے ہیں، ان کے درمیان ایک عمدہ ربط پایا جاتا ہے۔ سب سے پہلے انفاق فی سبیل اللہ کا حکم دیا گیا ہے، پھر سود سے بچنے کی تاکید کی گئی ہے، پھر قرض کے لین دین اور اس سے متعلق معاملات، مثلاً گواہی، کتابت، رہن وغیرہ کا حکم دیا گیا ہے۔ اس طرح قرآن واضح کرتا ہے کہ مال انسانی زندگی کا سہارا اور اس کی زینت ہے اور انسان کا اس سے بنیادی تعلق ہے۔ اس لیے مال سے اس کے ربط کو اعتدال و توازن پر قائم کرنے کی ہدایت دی گئی ہیں۔''۳۵؎

(۳) حنان لحام

حنان لحام کی شخصیت سے متعلق زیادہ معلومات نہیں ہیں۔ صرف اتنا پتا چلتا ہے کہ وہ شام کی ایک فاضل خاتون ہیں۔ ان کا ایک بھرا پرا خاندان ہے، جو بیٹوں اور پوتوں پر مشتمل ہے۔ وہ پیشۂ تدریس سے وابستہ ہیں اور تحقیق و تصنیف سے بھی دلچسپی رکھتی ہیں۔ ان کے بارے میں معلومات حاصل کرنے کا واحد ذریعہ ان کی تالیفات ہیں۔ اپنی کتابوں کے مقدموں میں انھوں نے اپنی شخصیت سے متعلق کچھ معلومات دی ہیں۔ ان سے پتا چلتا ہے کہ وہ علم دوست خاتون ہیں، دوسروں سے فائدہ حاصل کرتی اور دوسروں کو فائدہ پہنچاتی ہیں۔ وہ موجودہ دور میں امت کے مسائل و مشکلات پر نظر رکھتی ہیں اور ان سے بچ نکلنے کی تدابیر سے بحث کرتی ہیں۔ ان کی کتابوں کو پڑھنے سے قاری کو بخوبی اندازہ ہو جاتا ہے کہ وہ ایسی ادیبہ ہیں، جو سیّال قلم رکھتی ہیں۔ انھوں نے کافی عرصہ مکہ مکرمہ میں گزارا۔ ان کی شخصیت میں صبر اور تحمل و برداشت کی خصوصیات بہت نمایاں ہیں۔ انھوں نے ان لوگوں کی پروا نہیں کی، جنھوں نے انھیں تفسیر میں کچھ لکھنے سے منع کیا اور مشورہ دیا کہ وہ صرف ادبی قصے لکھتی رہیں۔ اپنی کتاب من ھدی

سورۃ آل عمران کے مقدمہ میں انھوں نے بیان کیا ہے کہ تفسیر کے میدان میں ان کا داخلہ کیسے ہوا؟ انھوں نے لکھا ہے:

''بیس سال سے بھی پہلے کی بات ہے، جب میں نے دمشق میں اجتماعی مطالعۂ قرآن کے ہفتہ واری پروگرام میں شرکت کی۔ اس کا انعقاد کچھ خواتین کرتی تھیں۔ بہن لیلیٰ سعید اس میں تفسیر پیش کرتی تھیں۔ میں اسے بہت توجہ سے سنتی تھی اور اسے اپنی ڈائری میں نوٹ بھی کرلیا کرتی تھی، پھر بعد میں بھی اس کا مطالعہ کرتی تھی۔ اس لیے کہ ان کے درس میں کچھ افکار ایسے سامنے آتے تھے جن کو میں نے اس سے پہلے کسی تفسیر میں نہیں پڑھا تھا۔ لیلیٰ سعید نے ہم سے بیان کیا کہ وہ درس میں جو کچھ بیان کرتی ہیں وہ دراصل سالوں پر محیط ان یومیہ تفسیری مجلسوں کا ثمرہ تھا، جسے ان کے بھائی جودت سعید پیش کرتے تھے۔ اجتماعی مطالعۂ قرآن کا یہ پروگرام برابر جاری رہا، باوجود اس کے کہ لوگ اس عمل کو ہلکا اور نامناسب سمجھتے تھے۔ ہم نے ان کی باتوں کی کوئی پروا نہ کی۔ میں ان افکار کو ضبطِ تحریر میں لاتی رہی۔ اس سے مجھے بڑا فائدہ ہوا۔ ایک موقع ایسا آیا کہ بہن لیلیٰ اپنے شوہر کے پاس چلی گئیں، جو جرمنی میں اعلیٰ تعلیم حاصل کر رہے تھے۔ انھوں نے مجھے یہ ذمہ داری دی کہ میں یہ تفسیری سلسلہ جاری رکھوں۔ میں اپنے نوٹس کی مدد سے اور مزید تین تفاسیر: تفسیر ابن کثیر، سید قطب کی فی ظلال القرآن اور تفسیر المنار کے ذریعہ درس دیتی تھی۔ ان تفسیری نکات کے علاوہ شیخ مالک بن نبی، مولانا ابو الاعلیٰ مودودی، اور ڈاکٹر محمد اقبال وغیرہ کے افکار سے بھی مدد لیتی تھیں۔ میرے حاشیۂ خیال میں بھی نہ تھا کہ یہ نوٹس کبھی تفسیر کے موضوع پر چند کتابوں کی بنیاد بنیں گے۔ کچھ عرصہ کے بعد میں مکہ مکرمہ منتقل ہوگئی۔ وہاں میں نے نئے سرے سے لیکچرس کا سلسلہ

شروع کیا۔ میں نے قرآن کی تین سورتوں کی تفسیر کی: سورۂ بقرہ، سورۂ آل عمران اور سورۂ نسائی۔"۳٦۔

حنان لحام نے قرآنی موضوعات پر بہت سی کتابیں تصنیف کی ہیں۔ یہ کتابیں انھوں نے سلسلہ نظرات فی کتاب اللہ کے تحت شائع کی ہیں۔ ان کے نام درج ذیل ہیں:

۱۔ أضواء علی سورۃ یس ۲۔ أضواء و تأملات من سورۃ طہ ۳۔ أضواء من سورۃ لقمان ۴۔ من ھدی سورۃ البقرۃ ۵۔ من ھدی سورۃ آل عمران ٦۔ من ھدی سورۃ النساء ۷۔ من ھدی سورۃ النور ۸۔ تفسیر سورۃ التوبۃ ۳۷۔

انھوں نے قصص کے موضوع پر بھی متعدد کتابیں لکھی ہیں، جن میں سے کئی کتابیں قرآنی تعلیمات پر مبنی ہیں:

۱۔ لیلۃ القدر ۲۔ سورۃ الاخلاص ۳۔ سورۃ الکوثر

۴۔ قصۃ الفیل ۵۔ العادیات ٦۔ ذی القرنین

حنان لحام کی تفسیر کی خصوصیات اور منہجِ تفسیر

حنان لحام کی تفسیری خصوصیات اور ان کے منہجِ تفسیر کو درج ذیل نکات میں بیان کیا جا سکتا ہے:

اول: وہ قرآنی آیات کی توضیح وتشریح کے لیے ماثور پر اعتماد کرتی ہیں۔ چنانچہ وہ آیات کی تفسیر میں دیگر آیات اور احادیثِ نبوی پیش کرتی ہیں۔ مثلاً آیت: أَمْ تُرِيْدُونَ أَنْ تَسْأَلُوا رَسُولَكُمْ كَمَا سُئِلَ مُوسَى مِن قَبْلُ (البقرۃ:۱۰۸) کی تشریح کرتے ہوئے کہتی ہیں:

"ممکن ہے کہ آیت میں نہی معجزات کا مطالبہ کرنے سے ہو، جیسا کہ یہود کہتے تھے: يَا مُوسَى لَن نُّؤْمِنَ لَكَ حَتَّى نَرَى اللّٰهَ جَهْرَةً (البقرۃ:۵۵) یا ممکن ہے کہ نہی تمام سوالات کرنے سے ہو، جیسا کہ

اس آیت میں کہا گیا ہے: يَاأَيُّهَا الَّذِيْنَ آمَنُوا لاَ تَسْأَلُوا عَنْ أَشْيَاءَ إِنْ تُبْدَ لَكُمْ تَسُؤْكُم (المائدۃ:۱۰۱)۔ یہی بات ایک حدیث میں بھی کہی گئی ہے کہ: ''زیادہ سوال سے بچو، کیونکہ تم سے پہلے کی قومیں کثرتِ سوال اور اپنے انبیاء سے اختلافات کی صورت میں ہلاک کردی گئیں۔ لہٰذا جن باتوں کا تمہیں حکم دیا جائے، انھیں بقدر استطاعت بجا لاؤ اور جن چیزوں سے روکا جائے ان سے رک جاؤ۔''۳۸

دوم: ان کی تفسیر میں ادبی رنگ نمایاں ہے۔ اس لیے کہ انھیں ادب کا خاص ذوق حاصل تھا۔ تفسیر میں بھی ان کا یہ اسلوب جا بجا ملتا ہے۔ نہ صرف الفاظ کی تشریح میں ادبی جھلک نظر آتی ہے، بلکہ دیگر مواقع پر بھی وہ مؤثر اسلوب میں معانی و مفاہیم کی وضاحت کرتی ہیں۔ ایسا خاص طور پر سورتوں کے مقدمات میں دکھائی دیتا ہے۔

سوم: ان کی تفسیر کا منہج موضوعی ہے۔ وہ ایک سورت کو موضوع کے اعتبار سے کئی اجزاء میں تقسیم کرتی ہیں، پھر ہر موضوع کی آیات کو ایک جگہ جمع کرکے ایک عنوان کے تحت ان کی تشریح کرتی ہیں۔ مثلاً سورۂ آل عمران کی تفسیر انھوں نے چھ فصول کے تحت کی ہے: (۱) کتاب الٰہی (۲) کتابِ الٰہی کے مخاطبین (۳) اہلِ ایمان کے لیے ہدایت (۴) غزوۂ احد (۵) یہود کا کردار (۶) اولوا الالباب کون ہیں؟۔ اس طرح کی موضوعاتی تقسیم انھوں نے دیگر سورتوں میں بھی کی ہے۔

چہارم: اپنی تفسیر میں وہ معاشرتی مسائل کا تذکرہ کرکے ان کا حل پیش کرتی ہیں۔ مثلاً قرآن کی آیت: لاَ تَحْسَبَنَّ الَّذِيْنَ يَفْرَحُونَ بِمَا أَتَوا وَّيُحِبُّونَ أَنْ يُحْمَدُوا بِمَا لَمْ يَفْعَلُوا فَلاَ تَحْسَبَنَّهُمْ بِمَفَازَةٍ مِّنَ الْعَذَابِ (آل عمران:۱۸۸) کی تفسیر میں انھوں نے سید قطب شہید اور شیخ رشید رضا کے حوالہ سے مدح کے نقصانات بیان کیے ہیں اور چند احادیث پیش کی ہیں، جن میں اپنے کاموں پر دوسروں سے تعریف سننے کی خواہش رکھنے سے منع کیا گیا ہے، تاکہ اخلاص باقی رہے۔ وہ کہتی ہیں:

''رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے مدح سے منع کیا ہے، کیونکہ اس سے انسان پر

برے اثرات پڑتے ہیں۔وہ غفلت کا شکار اور غرور میں مبتلا ہو جاتا ہے۔بعض لوگوں کو مدح سے نقصان پہنچتا ہے اور بعض لوگوں کی تعریف سے حوصلہ افزائی ہوتی ہے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کسی چیز پر ابھارنے کے لیے بعض صحابہ کی تعریف کیا کرتے تھے۔اس لیے یہ معاملہ دقیق ہے اور اس میں حکمت کی ضرورت ہے، تاکہ جہاں ضرورت ہو، تعریف کی جائے اور جہاں ضرورت ہو، تنقید سے کام لیا جائے۔'' ۳۹؎

اسی طرح انھوں نے اپنی تفسیر میں خواتین کے مسائل سے خاص طور سے بحث کی ہے اور ان کو قرآنی تعلیمات کی روشنی میں حل کرنے کی کوشش کی ہے۔جیسے میراث، عدت، حجاب وغیرہ کے مسائل۔خاص طور سے انھوں نے سورۂ نساء اور سورۂ نور کی تفسیر میں ان مسائل پر بحث کی ہے۔

پنجم: تفسیر میں اختلافی مسائل سے وہ گریز کرتی ہیں۔کیوں کہ ان کے نزدیک اس سے ایمان پر کوئی فرق نہیں پڑتا اور یہ محض وقت کا ضیاع ہے۔چنانچہ آیت: **إِذْ قَالَ اللّٰهُ يَا عِيسَىٰ إِنِّي مُتَوَفِّيكَ وَرَافِعُكَ إِلَيَّ** (آل عمران: ۵۵) کے تحت ابتدا میں وہ مفسرین کے اقوال نقل کرتی ہیں کہ وفات سے مراد موت ہے یا نیند؟ اور رفع سے مراد صرف روح کے ساتھ اٹھایا جانا ہے یا روح اور جسم دونوں کے ساتھ؟ پھر کہتی ہیں:

''یہ باتیں ہمارے ایمان پر اثر انداز نہیں ہوتیں، کیوں کہ اللہ تعالیٰ ہر چیز پر قادر ہے۔ جو لوگ اس آیت کے ضمن میں مذکورہ بحثیں کرتے ہیں وہ صریح دلائل نہیں دیتے۔ وہ لوگ لاحاصل کام میں وقت ضائع کرتے ہیں۔بہتر تھا کہ ان بحثوں سے اعراض کیا جائے۔'' ۴۰؎

ششم: وہ تفسیر کو موجودہ زمانے کے احوال و مسائل کے ساتھ جوڑتی ہیں۔ مثلاً **فَأَمَّا الَّذِينَ كَفَرُوا فَأُعَذِّبُهُمْ عَذَابًا شَدِيدًا فِي الدُّنْيَا وَالْآخِرَةِ** (آل عمران: ۵۶) کی تفسیر میں لکھتی ہیں:

''اللہ تعالی نے اس دنیا میں اپنی سنت جاری کر رکھی ہے۔ جو اس کی اتباع کرتا ہے وہ اس کا نتیجہ حاصل کرتا ہے، خواہ وہ کافر ہی ہو۔ اللہ تعالی کی سنت یہ ہے کہ وہ دنیا کا اقتدار ان لوگوں کو عطا کرتا ہے جو اس کی صلاحیت رکھتے ہوں ۔عذاب کا مطلب یہ نہیں ہے کہ ان سے اقتدار چھین لیا جائے۔موجودہ زمانہ میں مرض ایڈز کا ظہور، جو جدید طاعون کے مثل ہے، عذاب کی ہی ایک صورت ہے، جس میں اللہ تعالی احکامِ الٰہی کا انکار کرنے والوں کو مبتلا کرتا ہے۔'' ۴۱؎

آیتِ مباہلہ (آل عمران:۶۱) میں وَنِسَاءنَاوَنِسَاءكُمْ (آل عمران:۶۱) کی معنویت پر وہ شیخ رشید رضا کی رائے سے اتفاق رکھتی ہیں کہ اس سے معاشرہ میں عورت کے مقام و مرتبہ کا ظہور ہوتا ہے۔اسی طرح آیت: وَلْتَكُن مِّنكُمْ أُمَّةٌ يَدْعُونَ إِلَى الْخَيْرِ وَيَأْمُرُونَ بِالْمَعْرُوفِ وَيَنْهَوْنَ عَنِ الْمُنكَرِ (آل عمران: ۱۰۴) کی تفسیر میں انھوں نے شیخ رشید رضا کے حوالے سے دس شرائط کا تذکرہ کیا ہے، جن کا داعی میں پایا جانا ضروری ہے۔ ۴۲؎

ہفتم: وہ سائنسی ترقیات کے فہم و استفادہ میں تجدیدی روش اختیار کرنے کی دعوت دیتی ہیں، جیسا کہ انھوں نے سورۂ بقرہ کی تفسیر کے مقدمے میں آیاتِ انفس و آفاق کو گہرائی سے سمجھنے پر زور دیا ہے۔ وہ کہتی ہیں:

''آفاق و انفس کی نشانیوں کے سلسلے میں جو نئی معلومات حاصل ہوئی ہیں، ان سے مناسبت پیدا کرنے کے لیے ہمیں فہم و تفکیر میں تجدید کی ضرورت ہے۔ ہمارے لیے یہ کام آسان نہیں ہے، اس لیے کہ ہم صدیوں تک ایک بند دائرے میں رہے ہیں اور اپنے ارد گرد ہونے والی ترقی سے ہمارا کوئی واسطہ نہیں رہا ہے۔ ہم ہر نئی چیز سے ڈرتے اور اس کا بالکلیہ انکار کرتے ہیں، خاص طور سے علم تفسیر کے معاملے میں۔'' ۴۳؎

وہ تجدید اور تفسیر بالرائی ،جو درحقیقت اتباعِ ہویٰ ہے، کے درمیان فرق کرتی ہیں۔ اس سلسلہ میں انھوں نے علامہ ابن تیمیہؒ کا یہ قول نقل کیا ہے: **ان صریح المعقول لا تخالف صحیح المنقول** (خالص عقلی چیز صحیح منقول چیز کے مخالف نہیں ہوسکتی)۔

ہشتم: وہ تفسیر کرتے ہوئے پہلے یہ بتاتی ہیں کہ سورہ مکی ہے یا مدنی؟ اس میں آیات کی تعداد کیا ہے؟ حدیث میں اس کے کیا فضائل مروی ہیں؟ پھر اسبابِ نزول کی روایات نقل کرتی ہیں۔ مثلاً سورۂ آل عمران کے بارے میں بیان کرتی ہیں کہ یہ غزوۂ بدر کے بعد نازل ہوئی ہے۔ (سورہ کی آیت نمبر ۱۳ میں غزوۂ بدر کی طرف اشارہ موجود ہے۔)اور اس کی آیات غزوۂ احد کے بعد تک نازل ہوتی رہی ہیں۔ ۴۴؎

نہم: وہ زیرِ تفسیر سورہ اور اس کے پہلے کی سورہ کے درمیان مناسبت اور اختلاف ومماثلت کے پہلوؤں کی وضاحت کرتی ہیں۔ مثلاً سورہ آل عمران کی تفسیر میں لکھتی ہیں:

> ’’ہمیں سورۂ آل عمران اور سورۂ بقرہ کے درمیان بعض پہلوؤں میں اختلاف دیکھنے کو ملتا ہے۔ سورۂ بقرہ میں یہود کا مفصّل تذکرہ ہے، جب کہ سورۂ آل عمران میں نصاریٰ سے خطاب زیادہ ہے۔ سورۂ بقرہ زیادہ تر معاشرتی اور معاشی احکام ومسائل پر مشتمل ہے، جب کہ سورۂ آل عمران میں دو خاص موضوعات پر زور ہے: صحیح عقیدہ کا بیان اور اہل کتاب سے مباحثہ اور ان پر تنقید اور اہلِ ایمان سے سرزد ہونے والی غلطیوں پر تنقید۔‘‘

دہم: وہ سورہ کی موضوعاتی اعتبار سے مختلف اکائیوں میں تقسیم کرتی ہیں، پھر ہر اکائی کو ایک خاص عنوان دیتی ہیں۔ مثلاً انھوں نے سورۂ آل عمران کو موضوع کے اعتبار سے چھ حصوں میں تقسیم کیا ہے، پھر ہر حصہ کو مضمون کے اعتبار سے ایک خاص عنوان دیا ہے۔

بعض آیات کی تفسیر میں حنان لحام سے اجتہادی آراء ظاہر ہوئی ہیں، جو دیگر

مفسرین اور جمہور علماء کی آراء سے مطابقت نہیں رکھتیں۔ ان میں سے ایک عورت کی گواہی کا مسئلہ ہے۔ سورۂ بقرہ میں ایک موقع پر دو عورتوں کی گواہی کو ایک مرد کے برابر قرار دیا گیا ہے۔ وہاں وہ صاحب تفسیر المنار کے حوالہ سے لکھتی ہیں:

"بھٹکنا اور بھولنا معلومات اور تجربہ کی کمی کی وجہ سے ہوتا ہے۔ گواہی کی شرائط یہ ہیں: حادثہ کی جگہ موجودگی، سچائی، امانت، علم وشعور وغیرہ۔ اگر یہ شرائط پورے طور پر کسی عورت میں پائی جائیں تو اس کی گواہی بھی مرد کی گواہی کے برابر ہو گی۔ ماضی میں بھی فقہاء نے کچھ مخصوص معاملات میں ایک عورت کی گواہی قبول کی ہے، خاص طور سے عورتوں سے متعلق مسائل میں۔ گویا اس آیت میں ان مخصوص معاشرتی حالات کا تذکرہ ہے جب عورت کو مالی تنازعات اور قضائی معاملات کی پوری جان کاری نہیں رہتی تھی، لیکن جب گواہی کی تمام شرائط پائی جائیں تو اسے قبول کیا جائے گا، چاہے گواہی مرد کی ہو یا عورت کی۔" ۴۵

حواشی ومراجع:

۱۔ ملاحظہ کیجیے مقالہ بنت الشاطی http://ikhwanonline.com/Article.asp?، مقالہ عائشہ عبدالرحمان بنت الشاطی www.azaheer.org/vb/shoethred.php?

۲۔ ڈاکٹر عائشہ عبدالرحمن بنت الشاطی، التفسیر البیانی للقرآن الکریم، دار المعارف القاہرۃ، جلد۱، ص۱۰-۱۱

۳۔ التفسیر البیانی: ۱/ ۱۱، المقدمۃ

۴۔ مزید ملاحظہ کیجیے: مریم: ۷۷-۸۷، الفرقان: ۴۳، الجاثیۃ: ۲۳، النجم: ۳۳-۳۸

۵۔ مزید ملاحظہ کیجیے: یونس: ۵۹، الشعرائ: ۵۷، فاطر: ۴۰، الزمر: ۳۸، النجم: ۱۹، الاحقاف: ۴

۶۔ التفسیر البیانی: ۲/ ۲۷-۲۹

۷۔ حوالۂ سابق: ۱/ ۱۴-۱۵